ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو
علّامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

اقبال کی غزل کا فنی سراپا

Allama Iqbal was an epoch making poet of 20th C. he transformed the dimension of poetry in the real sense. He adopted the medium of poetry for the propagation of his philosophical ideas. He changed the superficial subject matter of Urdu poetry by placing it in its proper historical perspective. He coined new expressions and terms. By introducing novel similes and metaphors, he widened the horizon of Urdu poetry. In its technical perfection, his poetry has no parallel. His style is unique and different. He bestowed a new vigor upon poetry by changing its form. In this article, an attempt has been made to present the technical structure of his ghazal.

مولانا الطاف حسین حالی نے غزل کے دائرۂ موضوعات کو کشادہ کرنے کے لیے جو شعوری کوشش کی تھی وہ غزل کے مخصوص ایمائی مزاج سے ہم آہنگ نہ ہونے کے باعث ہدفِ تنقید بنی اور کلاسیکی غزل کے پرستاروں نے حالی کی اس اصلاحی کوشش کو ''غزل دشمنی'' کے رنگ میں پیش کیا۔ اس میں شُبہ نہیں کہ بدلتے ہوئے سماجی حالات کا یہ تقاضا تھا کہ غزل اگر عہدِ موجود کی ترجمانی کے فریضے سے سبک دوش ہونا چاہتی ہے تو اسے اپنے موضوعات، اسالیب اور لفظیات کے دائرے کو وسیع کرنا ہوگا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اکبر الہٰ آبادی جو ذہنی اور فکری رویوں میں مولانا حالی کے ہم نوا نہ تھے انھوں نے بھی غزل کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لیے اسی طرح کا شعوری جتن کیا۔ حالی اور اکبر دونوں دلِ درد مند رکھتے تھے اور دونوں کے ہاں ملت دوستی کے جذبے کی فراوانی ہے۔ ہم دونوں کی فکر اور طریقۂ عمل مختلف تھا۔ اقبال کی ذہنی اور فکری نشوونما میں حالی و اکبر کے فکری رویوں نے اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ اقبال نے ان پیش رووں کی کوششوں کو ا-

مربوط اور منظّم شکل دے کر نقطۂ کمال تک پہنچایا۔

علامہ محمد اقبالؔ [۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء] عہد آفریں تخلیق کار ہیں۔ انہوں نے اپنے حکیمانہ خیالات اور فلسفیانہ نظریات کے اظہار کے لیے شاعری کا انتخاب کیا اور اپنی اعلیٰ فکری و فنی صلاحیتوں کے بل پر اسے اُس مقامِ بلند پر پہنچایا جہاں تک پہنچنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ فلسفہ اپنی سنجیدگی، پیچیدگی اور دقت کے باعث اُس دل کشی اور رعنائی سے عاری ہے جو شعر کا بنیادی وظیفہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبائع انسانی کو شعر جتنا مرغوب ہے اُتنا فلسفہ نہیں۔ اقبالؔ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے فلسفے کو تغزل کی سرشاری اور جذبے کی وارفتگی سے آمیخت کر کے اس کی ناہمواری اور ثقالت کو لطافت و رعنائی کا لباس عطا کیا ہے۔ پروفیسر حمید احمد خاں کے بہ قول:

''اُس کا فلسفہ اس کے شعر سے، اس کا شعر اس کے فن سے، منفصل نہیں ہوسکتا۔''(۱)

اُردو میں اگرچہ اقبالؔ سے پہلے مرزا غالبؔ کے اشعار میں فلسفیانہ رنگ اپنی تمام تر نزاکتوں کے ساتھ دکھائی دیتا ہے لیکن غالبؔ کا کلام من حیث المجموع کسی فلسفیانہ نظام کے تابع نہیں ہے۔ جب کہ اقبالؔ کے ہاں ایک مربوط اور منظّم فکری نظام موجود ہے اور ان کا سارا کلام اسی فکری نظام کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ اقبالؔ کے کلام کو اُردو اور فارسی یا نظم اور غزل کے خانوں میں تقسیم کرنے سے اس فکری نظام کو پوری طرح سمجھنا دشوار ہے۔ لیکن چوں کہ ان کے فکری نظام پر گفتگو ہمارے دائرۂ عنوان میں شامل نہیں اس لیے ہم یہاں صرف ان کی اُردو غزل کے تکنیکی اور فنی پہلو کا اجمالی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

اقبالؔ نے شعر گوئی کا آغاز غزل سے کیا کیوں کہ اُس وقت اقلیمِ سخن میں غزل کا راج تھا اور انجمنِ پنجاب کی کوششوں کے باوجود نظم نگاری اُس مقام تک نہیں پہنچی تھی کہ غزل کا مقابلہ کر سکتی۔ انیسویں صدی کے رُبعِ آخر کے غزل گوؤں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ قدیم رنگِ سخن کا نقیب تھا اور دوسرا جدید رنگِ سخن کا داعی۔ قدیم رنگِ سخن کے سربرآوردہ شاعروں میں داغؔ، امیرؔ اور جلالؔ شامل ہیں۔ کلاسیکی غزل کے یہ رکھوالے طرزِ بیاں کی بدولت گُل و بلبل اور عشق و محبت کے فسانے دُہرا رہے تھے؛ جب کہ جدید رنگِ سخن کے حاملین میں حالیؔ اور اکبرؔ کا نام سرِ فہرست ہے۔ اگرچہ فکری اعتبار سے حالیؔ اور اکبرؔ میں اختلاف تھا تاہم دونوں تخلیق کاروں نے غزل کو معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنایا اور اسے نئے موضوعات اور لفظیات سے روشناس کر کے اس کے عملی دائرے کو وسعت آشنا کیا۔ حالیؔ و اکبرؔ کے موضوعات کی تازگی ابھی تک غزل سے پوری طرح ہم آہنگ نہ ہو پائی تھی اس لیے قبولِ عام کے شرف سے محروم تھی۔ اس کے مقابلے میں داغؔ، امیرؔ، جلالؔ اور ان کے تلامذہ کی نغمہ سنجیوں سے پُورا ہندوستان گُونج رہا تھا۔ نو واردانِ ادب کی فطرت کے مطابق اقبالؔ نے روایتی غزل گوئی سے مشقِ سخن آغاز کی۔ زبان و بیان کی صفائی اور روزمرے کے استعمال میں داغؔ کا کوئی مثیل نہ تھا اس لیے اقبالؔ نے اصلاحِ شعر کے لیے داغؔ سے رجوع کیا۔ اصلاح کا یہ سلسلہ اگرچہ زیادہ عرصے تک نہ چلا تاہم اس میں شبہ نہیں کہ زبان و بیان کے اسرار و رموز سے اقبالؔ کی واقفیت داغؔ سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

''داغؔ کی غزل میں اُردو شعری روایات کے تمام علائم اور رموز موجود تھے۔ اقبالؔ نے ان کا گہرا مطالعہ کیا اور پھر اپنے سیاسی، ملی اور فلسفیانہ افکار کے ابلاغ کے لیے انہی علائم و رموز کو نئی معنویت دی۔''(۲)

اقبال کی غزل مختلف ارتقائی مراحل سے گ· رکرمکمل شکل میں ظاہر ہوئی۔فکروفن کے اعتبار سے اسے مندرجہ ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

☆ پہلا دور۔۔ ۱۸۹۳ تا ۱۹۰۵ء

☆ دوسرا دور۔۔ ۱۹۰۵ تا ۱۹۰۸ء

☆ تیسرا دور۔۔۱۹۰۸ تا ۱۹۲۴ء[بانگِ درا کی اشا عت]

☆ ۱۹۲۴ تا ۱۹۳۶ء[ضربِ کلیم کی اشا عت]

پہلے تین ادوار کا تعین خود علامہ اقبال نے کیا اور بانگِ درا انہی ادوار کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کی غزلیں ایک ہی مزاج اور کیفیت کی حامل ہیں اس لیے یہ ایک الگ دورِ تخلیق میں شامل ہیں۔

اقبال کی غزل گوئی کا پہلا دور تقلیدی رجحان کا غماز ہے۔داغ دہلوی کے زیرِ اثر ان کی غزل روایتی موضوعات کے گرد گھومتی ہے۔ان غزلوں کا تکنیکی رنگ و آہنگ بھی داغ سے مستعار ہے۔موضوعات کا چلبلا پن اور شوخی زبان و بیان کی نزاکتوں میں ڈھل کر لطف دیتی ہے۔ان غزلوں میں محاورات،تشبیہات،استعارات اور علامات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں تاہم یہ تمام بیانیہ عناصر بندھے ٹکے روایتی مفاہیم کے حامل ہیں اور ان میں اختراعی صلاحیت کی جھلک دکھائی نہیں دیتی ہے۔ بانگِ درا کی ترتیب کے وقت اقبال نے پہلے دور کی اکثر غزلیں داخلِ انتخاب نہیں کیں۔بہرحال منتخب شدہ غزلوں کے چند اشعار دیکھیے :

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

☆

تأمل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے

☆

ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

غزل گوئی کا دوسرا دور بھی داغ کے اثرات سے خالی نہیں تاہم اس دور کی غزل میں اقبال کی حیثیت تابع مہمل کی سی نہیں۔انہوں نے روایتی علائم ورموز کے آئینے میں عصری رجحانات کا عکس دیکھنے کی کوشش کی اس سے ان علامتوں کا معنوی اُفق روشن ہوا۔مشاہدے اور

تجربے کی گہرائی نے فکر کے ساتھ ساتھ فن کو بھی متاثر کیا۔فکر وÃ کی گہرائی نے انہیں تقلیدی روش سے دامن چھڑانے اور اپنا منفرد راستہ نکالنے کا حوصلہ بخشا:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اقبالؒ کی غزل گوئی کا تیسرا دور اُردو غزل کے نئے جہانوں کی خبر دیتا ہے۔اس دور کی غزل موضوعات،لفظیات،تکنیک اور اسلوب کے حوالے سے اُس انقلاب کے لیے زمین ہموار کرتی ہے جسے ۔ لِ جبریل کی غزل میں اپنی کامل شکل میں ظاہر ہو۔ تھا۔روایتی موضوعات اور فنی عناصر سے اَ ۔ * ۔ ئی کے ۔ وجود ان غزلوں میں تغزل کی سرشاری اپنا جادو جگاتی ہے۔تیسرے دور کی غزل کے تیور دیکھیے:

کبھی اے حقیقتِ منتظَر، Ã آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ *ز میں

☆

! تلک طور پہ دریوزہ اَ ی مثلِ کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

☆

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ *.م ابھی

اقبالؒ کی غزل گوئی کا چوتھا دور کمالِ فن کی اُس بلند سطح کی نو۔ دیتا ہے جہاں بہ قول رشید احمد صدیقی ''شاعری کا دین''مکمل ہو جا۔ ہے *. ل جبریل کی غزلیں[ضربِ کلیم کی چند غزلوں کو ۔ لِ جبریل کا تتمہ خیال کر۔ چاہیے۔]اقبالؒ کی فکری اور فنی صلاحیتوں کا نقطۂ عروج ہیں۔فکر و فن کے توازن و تنا & کی ایسی عظیم الشان مثال اُردو تو کیا دُ * کی کسی ۔ ن میں بھی نہیں ملتی ۔ لِ جبریل کی غزل کا ر۔ وآہنگ دیکھیے:

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں $. کدۂ صفات میں

☆

سبق 5 ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشر$. کی زد میں ہے اَ دوں

☆

اپنے من میں ڈوب کر *۔ جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں C نہ بن ، اپنا تو بن

☆

اسی طلسمِ کُہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب -- بتانِ عہدِ عتیق

اقبالؔ کی غزل فنی حسن کا بے مثل نمونہ ہے۔ اقبالؔ نے جا بہ جا ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے یہ .$ ہے کہ انہیں فنی امور اور تکنیکی رموز سے مطلقاً آشنائی نہیں اور نہ وہ ان سے کُچھ سروکار p ہیں۔ ان کے نزدیک شاعری محض A یت وخیالات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اور بس۔ خود اقبالؔ کے الفاظ میں سُنیے:

☆ ''میرا مقصود شاعری سے شاعری نہیں، بل کہ یہ ہے کہ اوروں کے دلوں میں بھی وہی خیالات %ن ہوں جو میرے دل میں ہیں اور بس۔''(۳)

☆ ''مقصود اس شعر گوئی کا نہ شاعری ہے نہ زبان۔''(۴)

☆ ''شاعری میں لٹر Z بحیثیت لٹر Z کبھی میرا مطمحِ A نہیں رہا، کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔''(۵)

☆ *۔تی رہی زبانِ اُردو اور فنِ شاعری، سوان سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ میرے مقاصد شاعرانہ نہیں بل کہ مذہبی اور اخلاقی ہیں۔''(۶)

☆ ''آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔''(۷)

☆ ''میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا اور فنِ شعر سے مجھے کبھی دل چسپی نہیں رہی۔''(۸)

لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اقبالؔ جتنے بڑے مفکر ہیں اس سے کہیں بڑھ کر شاعر ہیں۔ اس قسم کے خیالات کا مقصد بہ جُز اس کے کُچھ نہیں کہ کہیں لوگ شاعرانہ محاسن اور تکنیکی اوصاف میں ہی اُلجھ کر نہ رہ جا N اور پیغامِ شاعری اور روحِ کلام سے غافل نہ ہو جا N ۔ اقبالؔ کا کلام فنی اسقام اور تکنیکی خامیوں سے پاک ہے؛ ظاہر ہے یہ مرتبہ فن کے اسرار و رموز اور زبان و بیان کے کامل ادراک کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اقبالؔ کے مکاتیب اور مکالمات میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے .$ ہے کہ وہ شعر کے تکنیکی حسن کے لیے ریاضت کو لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں وہ شعر کہہ کر فارغ نہیں ہو جاتے بل کہ اسے فنی اعتبار سے مزید خوب صورت بنانے کے لیے مسلسل مشقت اٹھاتے ہیں؛ وہ مولانا گرامی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مجھے اپنا مصرع ابھی -- کھٹکتا ہے۔ طبیعت حاضر ہوئی تو پھر غور کروں گا۔ اس جگر کاوی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا h ۔ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو h جس

نے الفاظ کی M پیدا کی ہے۔ جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے۔''(۹)

اقبالؔ کی غزل کے تکنیکی عناصر میں ز بان کا معجزانہ استعمال & سے زیدہ اہمیت رr ہے۔ روایتی غزل مخصوص لفظیات پہ اصرار کرتی رہی ہے اس کے ۔ دوسری اصنافِ سخن کے عکس اس کا دا ئرہ لفظیات محدود رہا ہے۔ اقبالؔ روا $ کی قدرو قیمت کا گہرا عرفان ر p تھے 1 اس کے ۔ وجود انہوں نے محسوس کیا کہ غزل کے دا ئرہ لفظیات میں وسعت پیدا کیے بغیر اس صنف کو + زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ مخصوص دا ئرہ لفظیات میں نئے زمانے کے افکار وÂ یت اور ر ت ومسائل کا اظہار ممکن ہے۔ اقبالؔ نے روایتی الفاظ، استعارات اور علامات کو نئے معنوی آفاق سے روشناس کیا، اس سے روایتی غزل کا محدود و جامد دا ئرہ لفظیات تحرک اور وسعت سے ہم کنار ہوا۔ ڈاکٹر تیر لکھتے ہیں:

''[اقبالؔ نے]غزل کی قدیم صنف میں ا یـ نئی روح پھو دی ہے۔ یہاں کہ گھسے پٹے استعارات میں بھی نئی تو ئی پیدا کر دی ہے۔ گل و بلبل، ساقی و مے خانہ، صیاد و غزال دیکھنے میں تو وہی ہیں لیکن ان میں ا یـ نئی معنو $ پیدا ہو گئی ہے۔ اس طرح اقبالؔ نے ہماری ساری شاعری کا Â م اقدار ہی + ل ڈالا ہے۔ انہوں نے اس میں نئی معنو $ کی جوت جگائی ہے۔''(۱۰)

اقبالؔ نے شعری ز بان کو وسعت دینے کے لیے کیب سازی پہ خاص توجہ دی۔ انہوں نے سینکڑوں کیبیں استعمال کی ہیں اور اکثر کیبیں ان کی اپنی اختراعی صلاحیتوں کا نتیجہ ہیں۔ اقبالؔ کی کیب سازی نے ان کے مخصوص اسلوب کی تعمیر میں بھی بھرپور کردار ادا کیا ہے اور اس سے غزل کا لسانی قا) بھی وسیع ہو کر ہر قسم کے خیالات پہ قادر ہوا ہے ۔ لِ جبریل کی غزلوں میں مستعمل اکیب کی رنگا رنگی دیکھیے:

''نوائے شوق، $ کدۂ صفات، سینۂ کائنات، ہنگامہ ہائے شوق، زوالِ آدمِ خاکی، گیسوئے ب دار، محیطِ بے کراں، دمِ 4 سوز، بندۂ آزاد، لذتِ X د، جہانِ بے C د، عالمِ ر و بو، غوغائے رستاخیز، متاعِ دین و دانش، آبِ K ط انگیز، کشتِ و یاں، دولتِ پ وی ، مرگِ دوام، عالمِ من وتو، شورِ پ B وز ب، صفائے * پ کی طینت، نگاہِ شاعرِ رنگیں نوا، مقامِ بندگی، کارِ آشیاں بندی، فیضانِ Â، ز رت گاہِ اہلِ عزم و ہمت، اشِ آذرانہ، بتانِ عصرِ حاضر، نوائے عاشقانہ، صلۂ شہید، $ ب جاودانہ، ضمیرِ لالہ، ہنگامۂ نشور، لذتِ آہِ سحر گاہی، حدیثِ بے خبراں، ذوقِ شکر خند، کمالِ نے نوازی، سوز و سازِ رومی @ ب رازی، رسمِ شاہ زی، خوئے دل نوازی، پ دہ داری ہائے شوق، دانش ہانی، مردانِ صفا کیش و ہنرمند، شیشۂ تہذیبِ حاضر، موجِ تند جولاں، صاحبِ امروز، گوہرِ فردا، فروغِ وادیِ سینا، نگاہِ عشق و مستی، # یشۂ د ، ہنگامۂ رستاخیز، کشتِ وجود، کشادِ شرق و غرب، سوزِ دم + م، سرمۂ افر ، محکومیِ انجم، علاجِ ضعفِ یقیں، نکتہ ہائے دقیق، بہشتِ مغربیاں، رعشۂ سیماب، لذتِ * ز نگِ صورِ سرافیل، ساقیِ فر ، زبورِ

عجم، فغانِ 4 شی، صحبتِ پیرِ روم، جلوۂ دانشِ فر َ- *ٔ لۂ آتش٭ ک، آسودگیِ فتراک، شاخِ یقیں، آمادۂ 1/4ر، حدیثِ کلیم وطور، طلسمِ گنبدِ آ دوں، سنگِ خارا٭ٖ زیِ افلاک٭0%انِ فر َ- ، » ئے شعلہ، روشِ بندہ ٖپ وری، عتابِ ملوک، مآلِ سکندری، مقامِ پ ورشِ آہ ٭ٔ لہ، اسیرِ مکاں، خلاصۂ علمِ قلندری، : نگِ جستہ، حدیثِ ٹ انہ، نوائے پ یشاں، محرمِ رازِ درونِ مے خانہ، میخانۂ یورپ، اسرارِ کتاب، شہیدِ کبٖ ئی، نمودِ سیمیائی، سحرِ فرنگیانہ، گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ، ٖ ٔ بِ قلندرانہ، مجذوبِ فرنگی، نوائے صبح گاہی، آدابِ خود آگاہی، طاہرِ لاہوتی، بوئے اسد اللہی، آئینِ جواں مرداں، مردِ تن آساں، تسخیرِ مقامِ ر َ- و بو، مجبورِ پیدائی ء؛ کانِ تیموری، شاہینِ کافوری، غیرتِ جبریل، عذابِ دانشِ حاضر؟K طِ رحیل، درسِ فر َ- ، حجابِ دلیل، ضمیرِ حیات، حیرتِ فارابی، ٖ ٔ بِ کلیمانہ، حیلۂ افرنگی، # یشۂ چالاک، صیقلِ ادراک، کارِ ےC ی د، رموزِ قلندری، قبائے علم وہنر، صاحبِ ساز، لذتِ نغمہ، عفتِ قلب ونگاہ، آئینۂ مہر و ماہ، اَ مِ طواف، میانِ غیب وحضور، مسائلِ Ã ی۔"

اقبالؒ کی غزل میں صنائع و- ائع کا ہُنر مندانہ استعمال ان کے مذاقِ بلند کی شہادت دیتا ہے، انہوں نے ان عناصر کو اس بے تکلفی سے اظہارِ مطا) کا آئینہ دار بنٹا ٖ ہے کہ کہیں بھی تصنع کا گمان نہیں اَ ٔ ؛ ۔تضاد، حشو ملیح، مراۃ النظیر، حسنِ تعلیل اور ایہام تنا & جیسی صنعتوں کا استعمال ان کے کلام میں بہ کثرت دکھائی دیتا ہے۔ ان صنائع کے فن کارانہ استعمال نے معنی کی تمام دلالتوں کو روشن کرنے میں اہٓ ی ں کردار ادا کیا ہے۔تشبیہات واستعارات کے استعمال میں بھی اسی حسن کاری کا اظہار ہ؛ ہے۔ سید عا# علی عا# رقم طراز ہیں:

"اقبالؒ کے کلام میں اکثر وبیش ؛ تشبیہات واستعارات کے استعمال کا مقصد محض آرائشِ کلام نہیں بل کہ توضیحِ معانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ . # وہ فطرتِ خارجی کے مناظر کی تصو یں کھینچتے ہیں تو تشبیہات و استعارات میں وہ ٔ ا ؛ نہیں ہوتی جو ان کے کلام کا شیوۂ خاص ہے۔ ہاں . # وہ دقیق تعقلات ٭ ٖ ر ی۔ تصورات اور لطیف افکار واسرار کی توضیح کہٖ چاہتے ہیں تو ایسی ایسی خوب صورت تشبیہیں اور استعارے استعمال کرتے ہیں کہ ان دیکھی چیزیں دیکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔"(۱۱)

اقبالؒ نے اُردو غزل کو ا ِ- نئے اسلوب سے روشناس کیا۔ یہ اسلوب بلند آہنگ اور پُر جلال ہے اور اس میں مردانہ پن کی صفت پیدا ہوگئی ہے۔شو ؛ وتجمل کے ٭ ٖ وجود یہ اسلوب غنائیت اور نغمگیت کی؛ شیر سے محروم نہیں۔ اقبالؒ کے اسلوب کی تعمیر میں صرف فکر کی بلندی ہی اہم کردار ادا نہیں کرتی بل کہ لفظیات کا شکوہ اور اوزان کی بلند آہنگی بھی شامل ہے۔ یہ تمام عناصر آپس میں ا ِ- لطیف ربط ر p ہیں۔ ڈاکٹر سعد اللہ کلیم لکھتے ہیں:

"بلند آہنگی اَ صرف الفاظ کی ہو اور موضوع اس سے مطابقت نہ کر رہا ہو٭ ٖ اَ کسی شاعر کے الفاظ او™ بولتے ہوں اور معانی سرگوشیاں کرتے ہوں تو ظاہر٭ٖ طن کا تضاد شعر کا عیب ہے۔ علامہ اقبالؒ کی غزل میں

ہمیں یہ عیب نہیں ملتا۔ ان کے الفاظ کی گھن اَ ج ان کے افکار وخیالات کی گھن اَ ج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔''(۱۲)

اقبالؒ کے اسلوب کا یہ تجمل اور لفظیات کا یہ شکوہ روایتی غزل سے. اوِرا & متصادم ہے۔اس لیے روایتی غزل کے پستاروں نے اقبالؒ کی غزل کی اس بلند آہنگی پہ نکتہ چینی کی ہے۔ان کے بہ قول غزل گداز، لطافت ِ نمی اور لوچ سے عبارت ہے یہ گھن اَ ج اور جلال و شکوہ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ڈاکٹر سعد اللہ کلیم نے اقبالؒ کے پُر جلال اسلوب کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''. # کسی شاعر کا مقصد * کو بیدار کر ٔ ہو اور بیدار بھی اس مخلوق کو کر ٔ ہو جو صدیوں کی طویل . وجہد سے تھک ہار کر سو چکی ہو تو آواز ذرا اوœ ہی رکھنا پڑتی ہے۔آپ نے ان [اقبالؒ] کی غزل کو پڑھتے ہوئے محسوس کیا ہو گا کہ علامہ کی آواز نسبتاً اوœ ہے۔اس میں ا یـ طرح کی بلند آہنگی کا واضح احساس ہو ٔ ہے اور اس بلند آہنگی میں ذرا سی کرختگی اور تلخی بھی مل جل گئی ہے۔ہو سکتا ہے غزل کے مزاج شناس اور اس کی کانچ کی بنی ہوئی طبیعت سے واقف لوگ علامہ کو یہ مشورہ دیتے ہوں کہ:

سرہانے میر " کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو Hِ ہے

لیکن علامہ کو تو اس روتے روتے سو جانے والے مِیر کے آس پاس چاروں طرف% ھتے پانی کی دھارÃ آ رہی تھی۔وہ وقت لوری گانے کا نہیں تھا؛ سرگوشی کرنے کا نہیں تھا۔جھنجھوڑ کر جگانے کا تھا۔یہی وجہ ہے کہ علامہ کی غزل میں سرگوشی اور خود کلامی کا # ازنہیں ملتا۔''
(۱۳)

اقبالؒ نے غزل کی تکنیک کو نئی آب وُ ب » کی لیکن غزل کے خارجی ڈھانچے [ہیئت] کو پوری پابندی سے * ۔وہ جا... تھے کہ غزل کا خارجی ڈھا™ ہی اس کی شنا # کا اہم ین رُکن ہے اور غزل کی ہیئت سے انحراف کے نتیجے میں تخلیق ہونے والی شاعری کو غزل کا *. م نہیں دِ جا سکتا۔ بہ ایں ہمہ اقبالؒ نے . لِ جبریل کی ا یـ غزل میں ہیئت کا تجربہ بھی کیا۔اس تجربے کی شکل یہ بنی کہ غزل کا %ی شعر مطلع کی طرح ہم ردیف و ہم قافیہ ہے ہم یہ ردیف و قوافی غزل کے . قی اشعار کے ردیف و قوافی سے مختلف ہیں البتہ وزن میں اختلاف نہیں۔متذکرہ غزل کا مطلع اور مبینہ%ی شعر ذیل میں ںٔ کیا جا ہے:

مطلع

کیا عشق ا یـ زِ گی ِ ** ار کا
کیا عشق * + ار سے ** ار کا

%ی شعر

کا† وہ دے کہ جس کی کھنک لازوال ہو

*یرب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

اقبالؒ کی غزل کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی غزل تسلسلِ خیال کے Ä ہے کے مزاج سے مطابقت رb ہے۔وہ مزاجاً Ä کے شاعر تھے اس لیے ان کی غزل ان کی Ä تلے دبی معلوم ہوتی ہے۔اس نقطۂ Ã کی جمانی کرتے ہوئے صوفی تبسم لکھتے ہیں:

''غزل کا ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے۔اقبالؒ جیسے فلسفی کے لیے،جس کا دل و دماغ ای منطقی کی طرح سوچتا ہے اور بیان میں تعین اور صرا # چاہتا ہے،غزل کی صنف اور اس کا اسلوبِ بیاں موزوں نہ تھا لیکن اقبال " نے اپنی غزلوں میں تغزل یعنی رمز و ایما اور علامات و تلمیحات کے استعمال کے ساتھ ساتھ غزل کے اشعار میں *تی تسلسل پیدا کر کے اُسے Ä کار دے دیے''(۱۴)

میرے خیال کے مطابق یہ نقطۂ Ã در & نہیں۔اس میں شُبہ نہیں کہ اقبالؒ کی غزلیں ای ہی موڈ،کیفیت اور مزاج کی حامل ہیں لیکن ان غزلوں میں ہر شعر ای منفرد یو$ کی حیثیت رr ہے۔اقبالؒ کی کسی غزل سے کوئی شعر نکال لیجیے غزل میں کوئی تبد~محسوس نہیں ہوگی اور شعر معنوی تشنگی کا شکار نہیں ہوگا۔لیکن اس کے عکس Ä کے چند مصرعے نکال e سے اس میں خلا پیدا ہو جائے گا اور وہ چند مصرعے سیاق و سباق سے کر مبہم مہمل ٹھہریں گے۔اقبالؒ کی Ä و غزل میں قر$ کا احساس شای اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ اقبالؒ کی نظمیں بھی تغزل کے اُس رچاؤ سے محروم نہیں ہیں جو غزل میں روح کی حیثیت رr ہے۔

اقبالؒ عروض کے اسرار و رموز اور اس کی اہمیت و افادی$ سے پوری طرح آگاہ تھے۔ان کی شاعری کی ابتدائی نشو ونما شمس العلما مولوی میر حسن کے زیرِ سایہ ہوئی اس لیے یہ بات بعید از امکان نہیں کہ اقبالؒ نے ان سے عروض کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہو۔کیوں کہ بہ قول ڈاکٹر H ن چند:اقبالؒ کو عروض پر جو عبور حاصل تھا،اس کے زحافات کا وہ جس قدر عرفان رp تھے،اُردو کے مشاہیر شعرا میں اور کہیں نہیں دکھائی دیتا۔(۱۵)اقبالؒ اس بات سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ علمِ عروض کی پابندی کے بغیر شاعری اپنی حیثیت کھو دیتی ہے۔انہوں نے ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ کو ای خط میں لکھا:

''اگر ہم نے پابندیِ عروض کی خلاف ورزی کی تو شاعری کا قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا''(۱۶)

اقبالؒ بحروں کے مزاج اور اوزان کی مخصوص خاصیتوں کا گہرا شعور رp تھے اور اسی شعور کے تحت انہوں نے اپنے مزاج اور فکر کی منا سے بحروں کا انتخاب کیا۔اقبالؒ نے غزل کے لیے بالعموم بلند آہنگ اوزان برتے ہیں جن سے ان کی غزل کو جوش و ولولہ اور جلال و شکوہ کا وہ لحن ملا ہوا جس کی مثال پوری اُردو شاعری میں نہیں ملتی۔اقبال کی ابتدائی دور کی غزلیں اس جلال و شکوہ سے محروم ہیں کیوں کہ ان میں سادہ اور آسان اوزان کو روایتی انداز میں استعمال کیا H ہے۔بانگِ درا،بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کی ای سو دس (۱۱۰) غزلوں میں بیس اوزان برتے گئے ہیں ان اوزان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں صرف ای غزل ملتی ہے اور بعض میں دو تین۔غزل کے لیے آپ نے جن اوزان کو زیادہ استعمال کیا ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مجتث مثمن مخبون محذوف رمقصور [مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن رفعلان]

۲۔ ہزج مثمن سالم [مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن]

۳۔ رمل مثمن محذوف رمقصور [فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن رفاعلان]

۴۔ رمل مثمن مخبون محذوف رمقصور [فعِلاتن فعِلاتن فعِلاتن فعلن رفعلان]

۵۔ ہزج مثمن اخرب سالم الاخر [مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن]

حوالہ جات

(۱) ''شعرِ اقبال میں فن کاری کا عنصر''[مضمون]مشمولہ: اقبال، بحیثیتِ شاعر؛ مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی؛ لاہور؛ مجلسِ ترقیِ ادب؛ اوّل، مارچ ۱۹۷۷ء؛ ص ۴۷۔

(۲) شعرِ اقبال؛ لاہور؛ بزمِ اقبال؛ دوم، جون ۱۹۷۷ء؛ ص ۸۴۔

(۳) انوارِ اقبال؛ بشیر احمد ڈار؛ لاہور؛ اقبال اکادمی؛ ۱۹۷۷ء؛ ص ۲۸۷۔

(۴) اقبال نامہ (جلد اوّل)؛ شیخ عطاء اللہ؛ لاہور؛ شیخ محمد اشرف تاجرِ کتب؛ [۱۹۴۴ء]؛ ص ۱۰۱۔

(۵) اقبال نامہ (جلد دوم)؛ ص ۱۰۸۔

(۶) انوارِ اقبال؛ ص ۱۹۳۔

(۷) ایضاً ص ۱۲۶۔

(۸) اقبال نامہ (جلد دوم)؛ ص ۱۱۹۔

(۹) مکاتیبِ اقبال بنام گرامی؛ محمد عبداللہ قریشی [مرتبہ]؛ لاہور؛ اقبال اکادمی پاکستان؛ جون ۱۹۸۱ء؛ ص ۱۵۵۔

(۱۰) مقالاتِ تاثیر؛ [مرتبہ: ممتاز اختر مرزا]؛ لاہور؛ مجلسِ ترقیِ ادب؛ طبع اوّل، جون ۱۹۷۸ء؛ ص ۲۷۵۔

(۱۱) شعرِ اقبال؛ ص ۳۷۶۔

(۱۲) ''علامہ اقبال کی غزل اور اس کا منفرد لہجہ''[مضمون]مشمولہ: مشعل (علمی و ادبی مجلّہ)؛ اٹک؛ گورنمنٹ کالج اٹک؛ مئی ۱۹۷۸ء؛ ص ۳۰۔

(۱۳) ایضاً ص ۲۹۔

(۱۴) ''اقبال کے کلام میں موضوع اور ہیئت کی ہم آہنگی''[مضمون]؛ مشمولہ: اقبال بحیثیت شاعر؛ ص ۱۵۲۔

(۱۵) ''اقبال کی مہارتِ عروض''[مضمون]؛ مشمولہ: سہ ماہی اُردو؛ کراچی؛ انجمنِ ترقیِ اُردو پاکستان؛ ۱۹۸۰ء۔

(۱۶) اقبال نامہ [حصہ اوّل]؛ ص ۲۸۰۔

☆☆☆